عالاں

اماں ابھی دہی بلو رہی تھیں کہ وہ مٹی کا پیالہ لیے آ نکلی۔ یہ دیکھ کر کہ ابھی مکھن ہی نہیں نکالا گیا تو لسّی کہاں سے ملے گی، وہ شش و پنج میں پڑ گئی کہ واپس چلی جائے یا وہیں کھڑی رہے۔

''بیٹھ جاؤ عالاں!'' اماں نے کہا، ابھی دیتی ہوں۔۔۔۔کیسی ہو؟

''جی اچھی ہوں!'' وہ وہیں بیٹھ گئی جہاں کھڑی تھی۔

کچھ دیر کے بعد اماں بولیں۔ ''اب میں مکھن نکالنے لگی ہوں برا نہ ماننا نیت بری نہ ہو بھی تو نظر لگ جاتی ہے! ابھی پچھلے دنوں نوراں نے مجھے مکھن کا پیڑا نکالتے دیکھا تھا تو دوسرے دن مرغی کے انڈے کے برابر مکھن نکلا، اور اُس سے اگلے دن چڑیا کے انڈے کے برابر۔ گائے کو تین دن مرچوں کی دھونی دی تو نظر اُتری!''

عالاں کُھلی ''نظر تو کبھی کبھی میری بھی لگتی ہے بی بی جی۔ اِس سے پہلے آپ کا شیشے کا ایک گلاس توڑ چکی ہوں۔''

''ہاں ہاں۔'' اماں کو یاد آ گیا۔ ''تم نے کہا۔ ہائے بی بی جی! کیسا صاف شفاف ہے کہ نظر آر پار جاتی ہے اور پھر یوں ہی پڑے پڑے ٹھنیس سے ٹوٹ گیا۔ میں تو حیران رہ گئی۔'' پھر اُنہوں نے عالاں کو ڈانٹا مگر اُس ڈانٹ میں غصہ نہیں تھا۔ ''لو اَب پرلی طرف دیکھو۔''

اور وہ مسکراتی ہوئی ایک طرف کو گھوم گئی اور سامنے دیکھنے لگی۔ سامنے میں بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دوپٹے کا پلّو آدھے سر پر سے کھینچ کر ماتھے تک لے آئی۔ اور بولی ''بی بی جی، اندر چھوٹے میاں جی تو نہیں بیٹھے؟''

''اری وہی عارف ہی تو ہے۔'' اماں بولیں۔ ''رات آیا ہے۔''

عالاں اُٹھ کر دروازے تک آئی اور بولی۔ ''رد بلائیں، دور بلائیں۔''

''کیسی ہو عالاں؟'' میں نے پوچھا۔

''جی اچھی ہوں۔'' وہ بولی۔ پھر اُس کے چہرے پر شرارت چمکی۔ ''پہلے تو میں آپ کو پہچانی ہی نہیں۔ میں سمجھی، کوئی بچہ مونچھیں لگائے بیٹھا ہے۔''

اس پر اماں کی ہنسی چھوٹ گئی۔۔۔۔۔۔ ''توبہ ہے۔'' وہ بولیں۔ ''کمبخت ایسی بات کرتی ہے کہ۔۔۔۔توبہ ہے!''

عالاں دہلیز پر یوں بیٹھ گئی کہ اُس کا ایک پاؤں باہر صحن میں تھا اور ایک کمرے کے اندر، نشست کے اس انداز نے اس کی نیلی تہبند کو تان کر اس کی آدھی پنڈلیوں تک اُٹھا دیا تھا۔ اس کے میلے پاؤں کے مقابلے میں اس کی پنڈلیوں کا رنگ کتنا مختلف تھا! اور یہ پنڈلیاں کتنی سڈول تھیں! یونانیوں نے وینس کے بت کی جو پنڈلیاں بنائیں تھیں، وہ کیا عالاں کی پنڈلیاں دیکھ کر بنائی تھیں!

''عارف میاں، پردیس میں آپ کیا کرتے ہیں؟'' اُس نے مجھ سے یوں پوچھا جیسے چوپال میں بیٹھی گپ لڑا رہی ہے۔ ساتھ ہی وہ المونیم کے پیالے کو فرش پر ایک انگلی سے مسلسل گھمائے جا رہی تھی۔

میں نے کہا۔ ''نوکری کرتا ہوں۔ روپیہ کماتا ہوں۔''

''بی بی جی کو کتنا بھیجتے ہیں؟'' اُس نے شرارت سے مسکرا کر پوچھا۔

''اے لڑکی!'' اماں نے اُسے ڈانٹا۔ ''اپنی عمر کے لڑکوں سے یوں باتیں نہیں کرتے۔ اب تو چھوٹی نہیں ہے۔ کیا ابھی تک تجھے کسی نے نہیں بتایا کہ تو بڑی ہو گئی ہے؟''

وہ دہلیز پر بیٹھی بیٹھی اماں کی طرف گھوم گئی۔ اب اُس کے دونوں پاؤں صحن میں تھے اور بالوں کا ایک ڈھیر کمرے میں تھا۔ ''کون بتائے بی بی جی؟'' وہ بولی۔ ''اماں ابا ہوتے تو

بتاتے۔ انہیں تو خدا کے پاس جانے کی اتنی جلدی پڑی تھی کہ میرے سر پر سے اپنا ہاتھ اُٹھایا تو انتظار بھی نہیں کیا کہ کوئی اس لڑکی کہ سر پر ہاتھ رکھے تو چلیں۔'' عالاں کی آواز کو آنسوؤں نے بھگو دیا تھا۔

میں نے کہا۔'' عالاں تمہاری ماں تو کب کی چل بسی تھی۔ کیا باپ بھی چل دیا؟''

اب کے گھوم کر اُس نے دونوں پاؤں کمرے میں رکھ دیئے اور بولی۔'' جی۔ وہ بھی چلا گیا۔ میں لڑکا ہوتی تو شاید مجھے جوتے گانٹھنا سکھا جاتا پر وہ مجھ سے روٹیاں ہی پکواتا رہا اور پانی ہی بھرواتا رہا۔ اب میں ایک موچی کی بیٹی ہوں پر اپنے جوتے دوسروں سے مرمت کراتی ہوں۔''

''تو کیا ہوا؟'' اماں بولیں۔'' تجھے صرف جوتے گانٹھنا نہیں آتے نا! باقی تو سب کام آتے ہیں۔ اپنی محنت سے کماتی اور کھاتی ہو۔ سارا گاؤں تمہاری تعریف کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ لو لسّی لے لو۔''

عالاں، جو اماں کی گفتگو کے دوران میں انہی کی طرف گھوم گئی تھی، اُٹھی اور جا کر پیالہ اماں کے پاس رکھ دیا۔

وہ لسی کا پیالہ لے کر جانے لگی مگر چند قدموں کے بعد ایک دم رک گئی اور پلٹ کر بولی۔'' آج بھی چکی پیسنے آجاؤں بی بی جی؟''

'' آجانا، آجانا۔'' اماں بولیں۔'' آٹا تو ڈھیروں پڑا ہے پر عارف کے ابا کی برسی بھی تو زیادہ دُور نہیں ہے۔ کئی بوریوں کی ضرورت پڑے گی۔ آجانا۔''

'' جی اچھا۔'' وہ بولی۔ پھر وہیں کھڑے کھڑے مجھ سے پوچھا۔'' عارف میاں! آپ کتنی چھٹی پر آئے ہیں؟''

میں نے کہا۔'' میں ابا کی برسی کر کے جاؤں گا۔''

بولی۔'' پھر تو بہت دن ہیں۔''

میں جب گاؤں میں اِدھر اُدھر گھوم کر واپس آیا تو وہ اندر ایک کوٹھڑیا میں بیٹھی چکی پیس رہی تھی۔ اوڑھنی اُس کے سر سے اُتر گئی تھی اور کھلے بال چکی کے ہر چکر کے ساتھ اُس کے چہرے کو چھپا اور کھول رہے تھے۔ اُس نے ایک ٹانگ کو پورا پھیلا رکھا تھا نیلا تہبند اُس کی پنڈلیوں تک کھنچ گیا تھا۔ اگر ایسی پنڈلی کو کاٹ کر اور شیشے کے مرتبان میں رکھ کر ڈرائنگ روم میں سجا دیا جائے تو کیسا رہے!

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا! اماں کہیں نظر نہ آئیں تو میں پنجوں کے بل کوٹھڑیا تک گیا۔ دروازے سے آتی ہوئی روشنی ایک دم کم ہوئی تو اُس نے چونک کر دیکھا۔ چکی روک لی۔ بالوں کو جھٹک کر سمیٹا اور اوڑھنی کو سر پر کھینچ لیا مگر پھیلی ہوئی ٹانگ کو پھیلا رہنے دیا۔ پھر وہ چکی کی ہتھی کو تھام کر آہستہ آہستہ گھمانے لگی اور میری طرف دیکھتی چلی گئی۔

اس وقت میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ ایک موچی کی بیٹی کی آنکھوں کو اتنا بڑا نہیں ہونا چاہیے، غریب غرباء کو چھوٹی چھوٹی آنکھیں ہی کفایت کر جاتی ہیں۔

اس کے چہرے پر شرارت تھی اور اس ڈر کے مارے کہ وہ کوئی فقرہ نہ مار دے، میں نے پوچھا۔'' اماں کہاں ہیں؟''

وہ بولی۔'' تو کیا آپ بی بی جی کو دیکھنے یہاں آئے تھے؟''

'' تو کیا تمہیں دیکھنے آیا تھا؟'' مجھے حملے کا موقع مل گیا۔

اُس نے بس اتنا کیا کہ ٹانگ سمیٹی اور پھر پھیلا دی۔ پھر وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ میں نے پھر پوچھا۔'' اماں کہاں ہیں؟''

'' یہیں حویلی میں ہیں۔'' اس نے کہا۔'' آپ کے چچا کی بیٹی بیمار ہیں۔ اُنہیں دیکھنے گئی ہیں۔''

میں نے کہا۔'' یہ جو تم پسائی کر رہی ہو اُس کی کتنی اُجرت لوگی؟''

''دو دن کا آٹا تو مل ہی جائے گا۔'' اُس کے لہجے میں کاٹ سی تھی۔ نہ جانے طنز کر رہی تھی یا اُس کا لہجہ ہی ایسا تھا۔

''اچھا دو دن گزر گئے تو پھر کیا کرو گی؟''

''پھر آجاؤں گی آٹا پیسنے، پانی بھرنے یا چھتیں لیپنے۔''

''چھتیں لیپنے؟ کیا تمھیں چھتیں لیپنا بھی آتا ہے؟'' میں نے سچ مچ حیرت سے پوچھا اور وہ بولی۔ ''مجھے کیا نہیں آتا عارف میاں۔ بس ایک جوتے گانٹھنے نہیں آتے اور بہت کچھ آتا ہے۔''

''مثلاً اور کیا کیا آتا ہے؟'' میں نے شرارت سے پوچھا۔

''اور۔۔۔۔؟ اور۔۔۔۔'' وہ کچھ بتانے لگی تھی مگر جیسے سوچ میں پڑ گئی اور آخر بولی۔ ''سبھی کچھ آتا ہے آپ دیکھ لیں گے ہولے ہولے۔'' چند لمحے وہ یوں چکی چلانے میں مصروف رہی جیسے مجھے بھول گئی ہے۔ پھر چکی روکی اُٹھ کھڑی ہوئی اور دروازے کی طرف بڑھی میں ایک طرف ہٹا تو وہ باہر آگئی اور بولی۔ ''پیاس لگی ہے پر بی بی جی کا کٹورا جُوٹھا ہو جائے گا، مجھے میری بک میں پلا دیجیے۔''

''تم کٹورے ہی میں پی لو۔'' میں نے کہا اور پھر ڈانٹ کے لہجے میں کہا۔ ''چلو اُٹھاؤ کٹورا۔ پیو پانی۔''

اس کی مسکراہٹ کتنی گلابی تھی۔ زندگی میں پہلی بار انکشاف ہوا کہ مسکراہٹ کا بھی رنگ ہوتا ہے۔

وہ پانی پی چکی تو کٹورے کو کھنگالنے کے لئے اُس میں ذرا سا پانی ڈالا۔ میں نے کہا ''بھر دو کٹورا۔'' وہ سمجھی شاید میں کٹورے کو پوری طرح پاک کرانا چاہتا ہوں۔ کٹورا بھر گیا تو اُس نے میری طرف دیکھا اور میں نے کٹورا اُس کے ہاتھ سے اُچک کر منہ سے لگا لیا۔ ''عارف میاں جی!'' وہ انتہائی حیرت اور صدمے سے بولی۔ وہ حواس باختہ میری طرف دیکھتی رہی اور جب میں

نے خالی کٹورا واپس کیا تو اُس کے ہاتھ میں رعشہ تھا اور اُس کی آنکھوں پر نمی کی ایک چمکیلی تہہ نمودار ہو گئی تھی اور اُس نے اوڑھنی کو یوں کس کے لپیٹ لیا تھا جیسے نماز پڑھنے چلی ہے۔

گاؤں میں جوان لڑکی کا ایک ایک قدم گِنا جاتا ہے۔ ایک ایک نظر کا حساب رکھا جاتا ہے بہت سے دوست بیٹھے تھے۔ لڑکیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ فلاں، فلاں کے ساتھ ہے۔ فلاں فلاں کے پیچھے ہے، فلاں اغواء ہونے کے انتظار میں ہے۔ فلاں اتنے ہاتھوں سے گزری ہے کہ اس بھری جوانی میں بھی پرانی ہو گئی ہے۔

میں نے کہا۔ ''ایک لڑکی عالاں بھی تو ہے، نادرے موچی کی بیٹی؟''

اس پر سب ہنسنے لگے۔ ''وہ؟'' انہوں نے کہا۔ ''وہ کسی کام کی نہیں ہے۔ گھر گھر میں کام کرتی پھر رہی ہے۔ روپیہ کما رہی ہے۔ خوب صورت ہے پر نکمی ہے۔ ایک بار بیگو مونچھیل نے چھیڑا تو بولی۔ ''میں موچی کی بیٹی ہوں۔ کھال اُتار لیتی ہوں!'' بیگو کو اتنی شرم آئی کے سیدھا نائی کے پاس گیا اور مونچھوں کی نوکیں کٹوا دیں!'' سب ہنسنے لگے اور دیر تک ہنستے رہے۔

میں نے کہا۔ ''اگر وہ اتنی محنتی لڑکی ہے تو اُس کی عزت کرنی چاہیے۔''

ایک بولا۔ ''وہ عزت بھی تو نہیں کرنے دیتی!''

اس پر سب کو ایک بار پھر ہنسی کا دورہ پڑا۔

دوسرا بولا۔ ''تمہارے ہاں تو وہ بہت کام کاج کرتی ہے کبھی اُس کی عزت کر کے دیکھو۔ کھال اُتار لے گی!''

وہ پھر ہنسنے لگے اور مجھے اُن کی ہنسی میں شریک ہونا پڑا مگر مجھ سے اپنی ہنسی کی آواز پہچانی ہی نہیں گئی۔۔۔۔۔ بالکل ٹین کے خالی کنستر میں کنکر بجنے کی آواز!

میں گھر واپس آیا تو وہ دروازے سے نکل رہی تھی۔ چہرہ بالکل تپا ہوا تھا۔ آنکھیں بھی سرخ ہو رہی تھیں۔ میں چونکا اور پوچھا۔ ''کیا بات ہے عالاں؟ تم روتی رہی ہو؟''

وہ ہنسنے لگی اور ہنسی کے وقفے میں بولی۔ ''روئیں میرے دشمن میں کیوں روؤں، میں تو مرچیں کوٹتی رہی ہوں عارف میاں!''

''تم مرچیں بھی کُوٹ لیتی ہو؟'' میں نے پوچھا۔ ''کوئی ایسا کام بھی ہے جو تمہیں کرنا نہ آتا ہو؟ تم اتنے بہت سے کام کیوں کرتی ہو عالاں؟''

وہ بولی۔ ''روپیہ کما رہی ہوں۔ آپ تو جانتے ہیں روپے والے لوگ غریب لڑکیوں کو خرید لیتے ہیں۔ میرے پاس روپیہ ہوگا تو مجھ پر نظر اُٹھانے کی کسی کو مجال نہیں ہوگی۔ ہے کسی کی مجال؟'' ۔۔۔۔۔ پھر وہ میرے قریب آکر سرگوشی میں بولی۔ ''میں نے آپ کے کرتے کے لئے ململ خریدی ہے۔ اُس پر بیل بوٹے کاڑھ رہی ہوں۔''

''یہ غلط بات ہے۔'' میں نے احتجاج کیا۔ ''تمہاری محنت سے کمائے ہوئے روپے سے خریدا ہوا کُرتا مجھے کاٹے گا۔''

''میں کسی کو بتاؤں گی تھوڑی۔'' وہ بولی۔ ''آپ بھی نہ بتایئے گا۔ پھر نہیں کاٹے گا۔'' وہ گُٹکی۔ پھر ایک دم گھبرا گئی۔ ''ہائے میں مرجاؤں، کہیں بی بی جی تو نہیں سن رہی ہیں۔''

''بی بی جی'' کے لفظ پر میرے جسم میں بھی سنسنی دوڑ گئی۔ اندر جھانکا تو صحن خالی تھا۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ جا چکی تھی۔

ٹھیک ہے۔ میں نے سوچا۔ اچھی لڑکی ہے۔ پیاری بھی ہے۔ شوخ بھی ہے۔ سب کچھ ہے مگر آخر موچی کی لڑکی ہے اور خاندان کے بزرگ کہہ گئے ہیں کہ بلندی پر کھڑے ہو کر گہرے کھڈ میں نہیں جھانکنا چاہیے۔ توازن بگڑ جاتا ہے اور آدمی گر جاتا ہے۔

ابا کی برسی کے روز ہمارے ہاں پورا گاؤں جمع تھا مگر اس ہجوم میں بھی عالاں کی دوڑ بھاگ نمایاں تھی۔ وہ پھرکی کی طرح گھومتی پھر رہی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اگر یہ لڑکی اس ہجوم

سے نکل گئی تو برسی کی ساری تنظیم بگڑ جائے گی اور ہر طرف لُٹس پڑ جائے گی۔ وہ بالکل برمے کی طرح ہجوم میں سے راستہ بناتی ہوئی پار ہو جاتی اور پلٹ کر غڑاپ سے امی کے کمرے میں گُھس کر کواڑ دھڑ سے بند کر دیتی۔ وہاں سے ہدایات لے کر وہ پھر باہر نکلتی اور پھر سے ہجوم میں برما لگا دیتی۔ عشاء کی اذان تک سارا گاؤں کھانا کھا چکا تھا۔ خالی دیگیں ایک طرف سمیٹ دی گئی تھیں۔ نائی، دھوبی، میراثی، موچی سبھی فارغ کر دیئے گئے تھے دن بھر کے ہنگامے کے بعد ایک بہت بھاری سناٹا گھر پر ٹوٹ پڑا تھا۔ آخری مہمان کو رخصت کر کے جب میں امی کے کمرے میں آیا تو مجھے یقین تھا کہ عالاں بیٹھی امی کے بازو اور پنڈلیاں دبا رہی ہوگی۔ مگر امی تو اکیلی بیٹھی تھیں۔ زندگی میں شاید پہلی بار امی کا لحاظ کئے بغیر میں اُن سے پوچھ بیٹھا۔ ''عالاں کہاں ہے؟''

مگر امی اس سوال سے بالکل نہیں چونکیں۔ بولیں۔ ''وہ لڑکی ہیرا ہے بیٹا۔ بالکل ہیرا۔ آج تو وہ میری آنکھیں، میرے بازو میرا سب کچھ تھی۔ دن بھر کی تھکی ماندی تو تھی، کھانے بیٹھی تو دو چار نوالوں کے بعد جی بھر گیا۔ اُٹھ کر جانے لگی تو میں نے اُسے روکا۔ اس کی دیگچی کو چاولوں سے بھرا اور اُسے لے جانے کو کہا تو وہ بولی۔ ''یہ چاول تو مجھے عارف میاں دیتے ہوئے بھلے لگتے ہیں۔ اوروں کو رخصت کرتے رہے پر اُنہوں نے مجھے تو پوچھا ہی نہیں۔ میں نہیں لے جاتی۔'' اُس نے یہ بات ہنسی میں کہی پر اُس نے ٹھیک کہا بیٹا۔ اندر کا سارا کام اُسی نے سنبھالے رکھا۔ تم سب کو رخصت کر رہے تھے، اُسے بھی رخصت کر دیتے! ویسے تو وہ ہنستی ہوئی چلی گئی ہے پر اُسے ہنسنے کی عادت ہے اور بیٹا جن لوگوں کو ہنسنے کی عادت ہوتی ہے نا، اُنہیں رونا بھی ہوتا ہے تو وہ ہنسنے لگتے ہیں۔ وہ ہنستے ہیں تو اندر سے رو رہے ہوتے ہیں۔ تم نے ایک موچن سمجھ کر عالاں کی عزت نہ کی، حالانکہ عالاں کا اپنا مان ہے۔ اُس کا یہ مان قائم رکھو بیٹا اور چاولوں کی یہ دیگچی اُسے دے آؤ۔ تھوڑی دیر پہلے گئی ہے۔ سوئی نہیں ہوگی۔ پھر کل صبح تم جا بھی رہے ہو۔ وہ کیا یاد کرے گی تمہیں۔ جاؤ''

عالاں اپنے گھروندے کے دروازے کے پاس چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے پاس

جا کر اُسے آہستہ سے پکارا تو وہ تڑپ کر یوں کھڑی ہوگئی جیسے اُس کے قریب کوئی گولا پھٹا ہے۔

''عارف میاں جی!'' وہ بولی۔ پھر حسب عادت ہنس کر کہا۔ ''چاول دینے آئے ہونگے۔''

میں نے کہا ''ہاں چاول ہی دینے آیا ہوں۔''

''لائیے۔'' اُس نے ہاتھ بڑھائے۔ ''بی بی جی نے بتایا ہوگا، میں نے کیا کہا تھا۔'' وہ ہنسنے لگی۔

''ہاں۔ بتایا ہے۔'' میں نے کہا۔

دیگچی لے کر اُس نے چارپائی پر رکھ دی اور بولی۔ ''وہاں گھر میں دیتے تو زیادہ اچھا لگتا! ویسے اب بھی اچھا لگ رہا ہے۔''

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہوں؟ آخر ایک بات سُوجھی۔ ''میں کل واپس جا رہا ہوں۔''

''وہ مجھے معلوم ہے۔'' عالاں بولی۔

''معلوم تھا تو وہاں گھر میں ذرا سی دیر رُک جاتیں۔'' میں نے کہا۔

وہ بولی۔ ''آپ کے کُرتے کا آخری ٹانکا باقی تھا۔ وہ آ کے لگایا ہے۔ بکسے میں اس کُرتے کی جگہ تو ہوگی نا؟ اور ہاں صبح آپ کا بکسا اُٹھا کر بسوں کے اڈے پر مجھے ہی تو آپ کو پہنچانا ہے! بی بی جی نے کہا تھا۔''

میں نے کہا۔ ''تم کیا کچھ کر لیتی ہو عالاں۔ چکی تم پیس لیتی ہو۔۔۔۔ چھتیں تم لیپ لیتی ہو۔ مرچیں تم کُوٹ لیتی ہو۔ کنوئیں سے دو دو تین تین گھڑے تم پانی بھر کے لاتی ہو۔ پورے گھر کا کام تم سنبھال لیتی ہو۔ کُرتے تم کاڑھ لیتی ہو۔ تم کس مٹی کی بنی ہوئی ہو عالاں؟''

وہ خاموش کھڑی رہی، پھر دو قدم اُٹھا کر میرے اتنے قریب آ گئی کہ مجھے اپنی گردن پر اُس کی سانسیں محسوس ہونے لگیں۔ ''میں تو اور بھی بہت کچھ کر سکتی ہوں عارف میاں'' اس کی آواز میں جھنکار سی تھی۔ ''آپ کو کیا معلوم میں اور کیا کچھ کر سکتی ہوں۔''

ذرا سے وقفے کے بعد وہ بولی۔ ''مجھ سے پوچھئے نا، میں اور کیا کچھ کر سکتی ہوں۔'' پہلی

جماعت کے بچے کی طرح میں نے اُس سے پوچھا۔ ''اور کیا کچھ کر سکتی ہو؟''

''میں پیار بھی کر سکتی ہوں عارف میاں۔'' اس نے جیسے کائنات کا راز فاش کر دیا۔

(''نیلا پتھر'')